AFKĀR *Journal of Islamic & Religious Studies*
Volume 5, Issue 1, June 2021, PP: 261-270
E-ISSN 2616-8588; P-ISSN 2616-9223
www.afkar.com.pk; hjrs.hec.gov.pk

تشبہ الکفار بالمسلمین: تحقیقی جائزہ

A Research Review about the Suspicion of Infidels with Muslims

Muhammad Saleem[1], Mr. Allah Ditta[2]
[1]Associate Professor, Islamic Studies Department Emerson University Multan, Pakistan
[2]HoD (Islamic Studies), Federal Govt. Degree College for Women, Multan, Pakistan

Abstract

This research study aims at exploring the commandments about the resemblance of infidels with Muslims particularly in dresses, gestures and behavior etc. Islam is the favorite and last religion of Allah Almighty. As Muhammad (blessings and peace of Allah Almighty be upon Him) is the last Prophet of God and no prophet can come after Him, similarly no new religion can come after Islam until the Day of Resurrection. For this reason, Islam has become very sensitive in its identity and distinction and individuality. While this religion has its own distinct identity, it also demands from its followers that their actions and behavior, character and conduct should be distinguished from others. Rather, his teachings also tell that the non-Muslims should also maintain their separate individuality, distinctiveness and identity so that it becomes easier to differentiate between Muslims and non-Muslims. Furthermore, the distinction and uniqueness of each religion and group could also be maintained. In this article, it has been mentioned that what is the Shariah status of Imitation of Infidels with Muslims? Is it necessary to maintain it nowadays or not? Or is it not necessary to do so under the influence of a universal or multi-cultural civilization? In ancient times, it was a means of distinction that there were no identity cards, but now, there are identity cards, what will be its status? Islam may demand its followers to follow its teachings, but can it demand the same from non-Muslims? This article also answers to many other similar questions which are discussed in brief too. The style of discussion is kept simple, analytical and narrative.

Keywords: *Infidels, Muslims, Imitation, Jurists, Society, Shariah, Differences.*

CC BY

تمہید

اسلام اللہ رب العزت کا پسندیدہ اور آخری دین ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ایسے ہی اسلام کے بعد اب قیامت تک کوئی نیا دین نہیں آسکتا۔ اسی وجہ سے اسلام اپنے تشخص و امتیاز میں اور انفرادیت و خصوصیت میں بہت حساس واقع ہوا ہے۔ یہ دین جہاں اپنی علیحدہ پہچان و شناخت رکھتا ہے وہیں اپنے پیروکاروں سے بھی یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ان کے افعال و اعمال اور روش و کردار دوسروں سے ممتاز ہوں۔ بلکہ اس کی تعلیمات تو یہ بھی بتاتی ہیں کہ اغیار بھی اپنی جداگانہ حیثیت و حالت کو برقرار رکھیں تاکہ اپنے اور بیگانے میں فرق روا رکھنا بھی آسان ہو جائے اور ہر مذہب و گروہ کی تمیز و نشانی بھی برقرار رہے۔ اس آرٹیکل میں یہ بتایا گیا ہے کہ تشبہ الکفار بالمسلمین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ دور حاضر میں کیا اس کو برقرار رکھنا واجب و ضروری ہے یا نہیں؟ یا ایک عالمگیر تہذیب یا کثیر القومی معاشرے کے زیر اثر ایسا کرنا کچھ بھی ضروری نہیں ہے؟ دور قدیم میں تو یہ امتیاز کا ایک ذریعہ تھا کہ شناختی کارڈ نہیں تھے لیکن اب تو شناختی کارڈ موجود ہیں تو اس امر کی شرعی حیثیت کیا ہو گی؟ اسلام اپنے پیروکاروں سے تو مطالبہ کر سکتا ہے کہ یہ اس کی تعلیمات پر عمل کریں لیکن کیا یہ غیر مسلموں سے بھی اس طرح کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ نیز اس جیسے دیگر بہت سے سوالات کے جوابات کو اس آرٹیکل میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ بحث کا انداز سادہ، تحلیلی اور بیانیہ رکھا گیا ہے۔

تشبہ الکفار بالمسلمین کا مفہوم

تشبہ الکفار بالمسلمین چند الفاظ کا مرکب ہے۔ کفار سے مراد غیر مسلم اور مسلمین مسلم کی جمع ہے یعنی کفار کا مسلمانوں سے تشبہ اختیار کرنا۔ جب کہ تشبہ عربی زبان کا لفظ ہے جو شبہ سے نکلا ہے اور اس سے مراد مشابہ ہونا یا ہم شکل ہونا کے ہیں اس کے معنی مثل، مانند، باہم مختلط ہونے، ہم وصف ہونے یا مشابہت، مماثلت یا نقل کرنا کے بھی آتے ہیں۔ یعنی اگر کوئی فرد جو دوسرے فرد جیسا حلیہ یا شکل و شباہت بنالے تو کہیں گے کہ یہ فرد اس جیسا ہے یا اس سے مشابہت رکھتا ہے مماثلت و نقالی کا یہ عمل تشبہ کہلاتا ہے۔[1] اب تشبہ الکفار بالمسلمین کے معنی یہ بنیں گے کہ کفار کا مسلمانوں کی سی وضع قطع اختیار کرنا، لباس پہننا، یا ایسی شکل و صورت بنانا کہ کوئی بھی انجان شخص یہ نہ جان سکے یا شک و شبہ میں مبتلا ہو جائے کہ اس شخص کا تعلق مسلمانوں کے گروہ سے ہے یا یہ شخص غیر مسلموں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔

تشبہ الکفار بالمسلمین کا شرعی جائزہ

دور صحابہ اور تابعین جو خیر القرون کا زمانہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ[2]

میری امت کا سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کے مطابق نبی ﷺ کے زمانہ سے صحابہ کا زمانہ مراد ہے اور ان کے بعد والا زمانہ تابعین کا زمانہ ہے۔ جو تقریباً 170 یا 180 ہجری تک جاری رہا۔[3] اس دور میں بھی تشبہ الکفار بالمسلمین کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور روزمرہ زندگی کے جملہ معاملات میں تشبہ کا اعتبار کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم لکھتے ہیں:

يَنْبَغِي أَنْ يَتَقَدَّمَ فِي أَنْ لَا يُتْرَكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ يَتَشَبَّهُ بِالْمُسْلِمِينَ فِي لِبَاسِهِ وَلا فِي مَرْكَبِهِ وَلا فِي هَيْئَتِهِ ---- وَبِأَنْ يَجْعَلُوا شِرَاكَ نِعَالِهِمْ مُثْنِيَّةً، وَلا يَحْذُوا عَلَى حَذْوِ الْمُسْلِمِينَ، ---- فَمُرْ عُمَّالَكَ أَنْ يَأْخُذُوا أَهْلَ الذِّمَّةِ بِهَذَا الزِّيِّ؛ هَكَذَا كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَمَرَ عُمَّالَهُ أَنْ يَأْخُذُوا أَهْلَ الذِّمَّةِ بِهَذَا الزي، وَقَالَ: وَحَتَّى يُعْرَفَ زِيُّهُمْ مِنْ زِيِّ الْمُسْلِمِينَ[4]

"حاکم کی طرف سے یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ کوئی ذمی اپنے لباس، وضع قطع اور سواری میں مسلمانوں سے مشابہت نہ اختیار کرے۔۔۔ اپنی چپلوں میں دوہرے تسمے لگایا کریں اور مسلمانوں جیسے جوتے نہ پہنیں۔ آپ اپنے افسروں کو حکم دیجیے کہ ذمیوں سے یہی پوشاک اختیار کرنے کا مطالبہ کریں۔

حضرت عمر بن خطاب نے بھی اپنے عمال کو حکم دیا تھا کہ ذمیوں سے ایسی پوشاک اختیار کرنے کا مطالبہ کریں۔ آپ نے فرمایا تھا: ''تاکہ ان کی پوشاک مسلمانوں کی پوشاک سے ممتاز رہے۔[5]

یعنی جس طرح مسلمانوں کی کفار سے مشابہت جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہ عمل بھی درست نہیں ہے کہ کوئی کافر حالت کفر میں رہنے کے باوجود مسلمانوں کی نقل کرے اور ان جیسا لباس پہنے یا ان کی وضع قطع اختیار کرے۔ اس لیے کہ دیگر لوگ اس کو مسلمان خیال کریں گے اور اس سے مسلمانوں جیسا برتاؤ کریں گے۔ مثلاً سلام، نماز اور زکوۃ وغیرہ کے معاملات۔ مسلمان اس کی ظاہری وضع قطع کی وجہ سے اسے مسلمان سمجھیں گے اور اسے زکوۃ ادا کردیں گے تو ان کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی اس لیے کہ زکوۃ مسلمان کو ہی دی جاسکتی ہے۔ حضرت ابراہیم بن مہاجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابراہیم سے دریافت فرمایا کہ غیر مسلموں پر صدقہ کرنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا زکوۃ تو نہیں دے سکتے ہاں البتہ اگر ان میں سے کسی کو صدقہ دینا چاہو تو دے سکتے ہو۔[6] یعنی کافر اگر ضرورت مند ہو تو نفلی صدقات وغیرہ سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے لیکن زکوۃ نہیں دے سکتے۔[7] ویسے بھی قرآن نے زکوۃ کے جو مصارف بیان کیے ہیں۔ ان میں کفار کا ذکر نہیں ہے۔ اس لیے کافروں کا مسلمانوں کی سی وضع بنانا ایک مستحسن عمل نہیں ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ کفار کو مسلمانوں کی نقالی سے روکے تاکہ مفاسد کا راستہ روکا جاسکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہی خرابیوں کا پورا احساس تھا اسی لیے آپ کے دور حکومت میں جہاں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کفار کی نقالی نہیں کریں گے وہیں کفار کو بھی یہ حکم تھا کہ وہ مسلمانوں کی نقل نہیں کریں گے۔ بلکہ اوپر والی روایت سے تو یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ایک خاص قسم کا لباس استعمال کریں گے تاکہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان مشابہت بھی قائم نہ ہو اور کفار کا امتیاز بھی کیا جاسکے۔ امام ابو یوسف نے حضرت عمر کے اس فرمان کو نقل کیا ہے:

حَتَّى يعرف زيهم من زي المسلمين[8]

تاکہ ان کی ہیئت و لباس کا مسلمانوں سے امتیاز کیا جاسکے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر کے اس فرمان کی علت و حکمت شناخت و امتیاز تھی چنانچہ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ "یہ سچ ہے کہ حضرت عمر مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا"[9]

ثابت بن ثوبان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے ایک عامل کو یہ لکھا تھا:

أَمَّا بَعْدُ، فَلا تَدَعَنَّ صَلِيبًا ظَاهِرًا إِلا كُسِرَ وَمُحِقَ، وَلا يَرْكَبَنَّ يَهُودِيٌّ وَلا نَصْرَانِيٌّ عَلَى سَرْجٍ، وَلْيَرْكَبْ عَلَى إِكَافٍ، وَلا تَرْكَبَنَّ امْرَأَةٌ مِنْ نِسَائِهِمْ عَلَى رِحَالَةٍ، وَلْيَكُنْ رُكُوبُهَا عَلَى إِكَافٍ. وَتَقَدَّمْ فِي ذَلِكَ تَقَدُّمًا بَلِيغًا، وَامْنَعْ مَنْ قِبَلَكَ؛ فَلا يَلْبَسْ نَصْرَانِيٌّ قِبَاءً وَلا ثَوْبَ خَزٍّ وَلا عَصْبٍ، وَقَدْ ذُكِرَ لِي أَنَّ كَثِيرًا مِمَّنْ قِبَلَكَ مِنَ النَّصَارَى قَدْ رَاجَعُوا لُبْسَ الْعَمَائِمِ وَتَرَكُوا الْمَنَاطِقَ عَلَى أَوْسَاطِهِمْ وَاتَّخَذُوا الْجِمَامَ وَالْوَفْرَ وَتَرَكُوا التَّقْصِيصَ، وَلَعَمْرِي لَئِنْ كَانَ يُصْنَعُ ذَلِكَ فِيمَا قَبْلَكَ، إِنَّ ذَلِكَ بِكَ لَضَعْفٌ وَعَجْزٌ وَمُصَانَعَةٌ، وَإِنَّهُمْ حِينَ يُرَاجِعُونَ ذَلِكَ لِيَعْلَمُوا مَا أَنْتَ؛ فَانْظُرْ كل شَيْء نهيت فاحسم عَنْهُ مَنْ فَعَلَهُ وَالسَّلامُ[10]

''امابعد، جو صلیبیں علانیہ نصب ہوں، ان کو توڑ کر ختم کر دیا جائے۔ کوئی یہودی یا عیسائی زین پر نہ بیٹھے، بلکہ پالان رکھ کر سواری کرے۔ ان کی عورتیں بھی زین کس کر نہ سوار ہوں، بلکہ پالان پر بیٹھیں۔ اس سلسلہ میں تم کافی چستی سے کام لو اور اپنی عمل داری کے لوگوں کو تاکید کر دو کہ کوئی عیسائی قباء یا خز یا منقّش یمنی کپڑے نہ پہنے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارے یہاں کے بہت سے عیسائیوں نے پھر عمامے پہننے شروع کر دیے ہیں اور اپنی کمر پر پٹکے باندھنا چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے بال ترشوانا ترک کر کے پٹے رکھنا شروع کر دیا ہے۔ اپنی عمر کی قسم! اگر تمہاری نظروں کے سامنے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے تو یہ تمہاری کمزوری اور مداہنت کی علامت ہے۔ وہ لوگ ان باتوں کو دوبارہ اختیار کر کے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اب تم کیا ہو۔

میں نے جن چیزوں کی ممانعت کی ہے، ان کا لحاظ رکھو اور لوگوں کو ایسا کرنے سے بالکل روک دو۔ والسلام۔"[11]

اس خط پر تبصرہ کرتے ہوئے قاری طیب مہتمم دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں: اس فرمان و حکم کا حاصل امتیاز اور ترک تشبہ کو پختہ بنانا ہے اور التباس و تشبہ کو جو اقوام کے ملی و قومی وجود کو باطل کرتا ہے، فنا کرنا نکل آتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ منع تشبہ پر قرن اول وثانی میں یکساں زور دیا گیا ہے اور ان قرون میں اس پر زور دیا جانا ہی اسلامیت کے عروج اور کفر واہل کفر کی پستی و کمزوری کا باعث ہوتا رہا ہے۔[12]

ان روایات کے علاوہ ایک روایت ایسی بھی ہے کہ عیسائیوں نے خود بھی اس اہتمام کا خود سے ہی ذکر کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مشابہت نہیں کریں گے۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن غنم فرماتے ہیں کہ جب شام کے عیسائیوں کے ساتھ صلح ہوئی تو میں نے حضرت عمر کے نام خط لکھا (عیسائیوں کی طرف سے)" بسم اللہ الرحمن الرحیم " یہ خط اللہ کے بندے عمر کے لیے ہے جو امیر المومنین ہیں فلاں فلاں شہر کے عیسائیوں کی طرف جب آپ لوگ ہمارے پاس آئے تو ہم نے آپ سے اپنے لیے اپنی اولادوں کے لیے اور اپنے مال کے لیے اور اپنے اہل مذہب کے لیے امان طلب کی، اور آپ کے لیے خود پر یہ شرائط عائد کیں کہ نہ ہم اپنے شہر میں اور نہ اپنے شہر کے ارد گرد کوئی گھر بنائیں گے نہ گرجہ نہ کسی راہب کا ٹھکانا اور نہ ان میں سے جو جگہیں خراب ہو جائیں ھی ان کی تعمیر نو نہ کریں گے اور نہ ان جگہوں کو بنائیں گے جو مسلمانوں کے علاقے میں ہیں، اور اگر کوئی مسلمان ہمارے گرجوں وغیرہ میں آ گیا خواہ وہ دن ہو یا رات ہم منع نہیں کریں گے اور ہم اپنے گرجوں کے دروازے گذرنے والوں اور مسافروں کے لیے وسیع کر دیں گے، اور اگر کوئی مسلمان گزرا تو ہم تین دن تک اس کی مہمان نوازی کریں گے اور کھانا کھلائیں گے، اور یہ کہ اپنے گرجوں اور گھروں میں کسی جاسوس کو نہ رکھیں گے اور نہ مسلمانوں کے جاسوس کو چھپائیں گے، اور نہ ہم اپنی اولاد کو قرآن سکھائیں گے اور نہ سرک کا اظہار کریں گے اور نہ کسی کو شرک کی دعوت دیں گے، اور اگر ہمارے لوگوں میں سے کوئی مسلمان ہونے کا ارادہ کرے گا تو ہم اس کو بھی منع نہ کریں گے اور ہم مسلمانوں کی عزت کریں گے اور اگر وہ ہماری مجلسوں میں بیٹھنا چاہیں تو ہم کھڑے ہو جائیں گے، اور ہم کسی بھی چیز میں ان کی مشابہت اختیار کریں گے نہ لباس میں نہ ٹوپی میں، نہ عمامہ میں اور یہ جوتوں میں اور نہ بال بنانے میں اور نہ ہم ان جیسی گفتگو کریں گے اور نہ ان جیسی کنیتیں رکھیں گے نہ ہم زین پر سوار ہوں گے اور نہ تلوار لٹکائیں گے اور نہ ہم کوئی اسلحہ وغیرہ بنائیں گے نہ اپنے پاس رکھیں گے، اور نہ اپنی مہروں میں عربی نقوش بنائیں گے اور نہ شراب بیچیں گے، اور ہم اپنی پیشانیوں کے بام کاٹیں گے، ہم اپنا حلیہ خاص رکھیں گے جہاں بھی ہوں، اور اپنے بیچ میں زنا باندھیں گے، اور مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں صلیب اور اپنے کتابیں نہ ظاہر کریں گے، اور ہم اپنے گرجوں پر بھی صلیب کو ظاہر نہ کریں گے، اور مسلمانوں کی موجودگی میں اپنے گرجوں میں ناقوس بھی نہیں بجائیں گے اور ہم سائبان بھی باہر نہیں نکالیں گے اور نہ بارش کے لیے اجتماع کریں گے، اور نہ اپنی موتوں پر اپنی آواز بلند کریں گے، اور نہ مسلمانوں کے راستوں میں اپنی موتوں کے ساتھ آگ ظاہر کریں گے ان کے پاس اپنی میتوں کو نہ لائیں گے، اور جو مسلمانوں کے حصے میں ہو اس کو اپنا غلام نہ بنائیں گے، اور ہم مسلمانوں کی آبادیوں میں بھی نہ جائیں گے۔ اور جب حضرت عمر تک یہ خط پہنچا تو انھوں نے مندرجہ ذیل اضافہ فرمایا کہ ہم مسلمانوں میں سے کسی کو نہ ماریں گے، ہم نے شرط مقرر کی ہے تمہارے لیے اپنے آپ پر اپنے اہل مذہب پر اور (مسلمانوں) سے ہم نے امان قبول کی، سو اگر ہم نے اپنی مقرر کردہ شرائط کی مخالفت کی تو ہم اس کے خود ذمہ دار ہیں ذمی نہ رہیں گے اور تمہارے لیے حلال ہو جائے گا وہ معاملہ جو شقی اور جھگڑالو لوگوں کے ساتھ کرنا حلال ہوتا ہے"۔[13]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ خلفیہ بن قیس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا، اے یرفا! مصر کے اہل کتاب کے لیے خط لکھو کہ اپنی پیشانیوں کے بال کاٹیں اور کستیجاب نامی کپڑا وغیرہ اپنے وسط میں باندھیں، تا کہ ان کا حلیہ مسلمانوں کے حلیے سے ممتاز ہو جائے"۔[14]

حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ عباسی خلیفہ جعفر المتوکل علی اللہ م 247ھ کے بارے میں بھی یہ روایات موجود ہیں کہ اس نے غیر مسلموں کے بارے میں یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی نقالی سے باز رہیں گے اور خاص قسم کا لباس استعمال

کریں گے چنانچہ اس نے 235ھ میں یہ حکم دیا کہ "عیسائی اور دیگر ذمی حضرات سب کے سب شہد کے رنگ کی چادریں پہنیں زنار باندھیں۔ ایسے چار جاموں پر سوار ہوں۔ جن میں لکڑی کی کاٹھی ہو، چار جامے کے پیچھے دو گولے بنے ہوں۔ جو ٹوپیاں پہنیں ان ٹوپیوں کا رنگ مسلمانوں کی ٹوپیوں سے جدا ہو اور ان میں دو دو گرہیں ہوں۔ ان کے غلاموں کے اوپر کے لباس پر دو دو پیوند سینے پر ہوں اور ایک پیٹھ پیچھے، ہر ایک بقدر چار انگل کے زرد رنگ کا ہو جو عمامہ باندھے اس کا رنگ بھی شہد کے رنگ کی طرح ہو۔ جو عورتیں باہر نکلیں وہ شہد کے رنگ کی شلوار پہنے ہوں۔ غلام زنار باندھیں، کمر بند (بکلوس) نہ باندھیں۔ اسی طرح اس نے غیر مسلموں کے گھروں کے بارے میں حکم دیا کہ گھروں کے دروازے پر شیطان کی تصویریں لکڑی میں کھدی ہوں تاکہ مسلمانوں کے گھر سے ان کے گھر جدا نظر آئیں یونہی یہ فرمان بھی جاری کیا کہ ان کی قبریں زمین کے برابر ہوں تاکہ مسلمانوں کی قبروں کے ساتھ ان کی مشابہت نہ رہے"[15]۔ اس کے سرکاری فرمان کی نقل یہاں درج کی جاتی ہے:

"امیر المومنین کی رائے یہ قرار پائی ہے کہ ممالک محروسہ میں جہاں کہیں جتنے غیر مسلم ہیں سب کی چادریں شہد کے رنگ کی ہوں جن کو چادر کی توفیق نہ ہو وہ تقریباً ایک بالشت مربع کا اپنے آگے پیچھے ایک ایک پیوند لگالیں، اور اس میں کچھ حیل وحجت نہ کریں ٹوپیوں میں گرہیں لگائیں جن کے رنگ ٹوپیوں سے الگ ہوں یہ گرہیں ابھری رہیں، ہر حالت میں محسوس ہوا کریں چار جاموں میں کاٹھی ہو اور قربوس پر ابھرے ہوئے گولے لگے ہوں جن کو دیکھنے والے واضح طور پر دیکھ سکیں۔ غلام اور لونڈیاں بجائے کمر بند کے زنار باندھیں۔ جو اس کے خلاف کرے اس کو سزا دی جائے۔ امیر المومنین اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے بندے رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے وہ کریم ورحیم ہے۔"[16]

ان روایات سے ہی یہ بات بخوبی ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ حکم ایک انتظامی نوعیت کا تھا اور اسے عباسی خلفاء میں سے بھی اس کے کسی پیشرو نے نافذ نہیں کیا تھا بلکہ یہ حکم خلیفہ متوکل نے صرف امتیاز اور پہچان کے لیے نافذ کیا تھا جسے اوپر بیان کی گئی روایات کے الفاظ "(تشبہ) مشابہت نہ ہو" اور "(یظھروا) محسوس ہوا کریں" اور "(یعلمھم) واضح طور پر دیکھ سکیں" وغیرہ صاف ظاہر کر رہے ہیں یعنی المتوکل کا مقصد یہ تھا کہ عام لوگ آسانی کے ساتھ یہ شناخت اور امتیاز کر سکیں کہ کون شخص مسلمان ہے اور کون غیر مسلم اور شناخت کے بعد وہ اس سے اسی طرح کا معاملہ کر سکے اگرچہ یہ ایک ریاستی یا ملکی یا انتظامی نوعیت کا حکم تھا لیکن پھر بھی اس حکم کے خلاف اس وقت کی غیر مسلم رعایا نے لازمی طور پر کچھ نہ کچھ پس وپیش کیا ہو اور اپنا ردعمل ظاہر کیا ہو گا لیکن تاریخ کے صفحات اس طرح کی کسی بھی قسم کی شہادت مہیا نہیں کرتے اور اس تذکرے سے خاموش ہیں لیکن اس حکم کے خلاف خود مسلم رعایا نے اپنا ردعمل ظاہر کیا اور اس کے خلاف اپنی آواز اٹھائی چنانچہ ایک شاعر علی بن جہم نے ایک نظم لکھی جس میں اس نے یہ اظہار کیا کہ عسلیات یعنی شہد کے رنگ کے کپڑوں نے اہل حق و اہل باطل میں امتیاز تو پیدا کر دیا مگر عقل مند آدمی کو اس میں زیادتی نہ کرنی چاہیے۔[17]

کچھ لوگوں نے اس بات تشبہ الکفار بالمسلمین کو مشکوک قرار دیا ہے۔[18] اس لیے کہ ان کا کوئی ذکر قدما کی معتبر اور قابل اعتماد کتابوں میں جو کہ ان باتوں کی جزئیات تک سے بحث کرتی ہیں نہیں ملتا ہے جب کہ بعض لوگوں نے (جن میں بہت سے مستشرقین اور کچھ موجودہ دور کے اہم اور مشہور محققین شامل ہیں) اس بات کا انکار تو نہیں کیا لیکن اس امر کو ایک انتظامی مسئلہ قرار دیا ہے کہ جس کو حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے حکومتی مصلحت کے تحت جاری کیا تھا اور اس مسئلے کا دینی معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ ضابطہ کسی بھی وقت تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے اور مصلحت کے بدلنے پر ختم بھی کیا جا سکتا ہے ان کے نزدیک یہ شناخت اور پہچان کا ایک ذریعہ تھا کیونکہ اس دور میں آج کل کے دور کی طرح شناختی کارڈ کا تو کوئی رواج نہ تھا کہ جس کے ذریعے سے کسی شخص کی شناخت کی جا سکے۔[19]

اسی بات کی وضاحت کے ضمن میں ڈاکٹر محمد یوسف القرضاوی لکھتے ہیں "اس زمانے میں مذہب کی بنیاد پر لوگوں کے مابین یہ فرق بہت ضروری تھا اور

خود ان مذہب کے پیروکاروں کی خواہش بھی یہی تھی۔ لباس کے علاوہ لوگوں میں تمیز کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ چونکہ شناختی کارڈ جس میں فرد کا نام، لقب اور دین ومذہب لکھا جاتا ہے ان لوگوں کے ہاں موجود نہیں تھا لہذا لوگوں میں تمیز کرنے کی ضرورت کے باعث ہی مسلم حکام اس طرح کی ہدایات جاری کرنے پر مجبور ہوئے۔ اسی لیے ہمیں اپنے میں کوئی ایسا مسلمان فقیہ نظر نہیں آتا جو لباس کی تفریق کو متقدمین کی طرح واجب سمجھتا ہو کیونکہ آج کل اس کی ضرورت نہیں"[20]

لیکن ڈاکٹر یوسف قرضاوی صاحب کی یہ بات بڑی ذومعنی ہے کہ "ہمیں اپنے میں کوئی ایسا مسلمان فقیہ نظر نہیں آتا جو لباس کی تفریق کو متقدمین کی طرح واجب سمجھتا ہو کیونکہ آج کل اس کی ضرورت نہیں" ایک طرف تو وہ یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان لباس کی تفریق متقدمین کے نزدیک واجب تھی (یہ بات بھی محل نظر ہے کہ متقدمین میں سے کس نے اس تفریق کو واجب قرار دیا تھا) اور اس سے پہلے وہ اسلاف کی طرف اس نسبت تشبہ الکفار بالمسلمین کو ہی مشکوک ٹھہرا چکے ہیں۔ دوسری طرف اسے واجب کہہ رہے ہیں اور اس واجب کو منسوخ قرار دینے یا عرف، تعامل یا عموم بلوی وغیرہ کی وجہ سے بدل جانے والے عمل کی طرف بھی نشاندہی نہیں فرمائی بلکہ دلیل بھی پیش کی تو یہ کہ آج کوئی ایسا فقیہ نظر نہیں آتا جو کہ اس تفریق کو واجب سمجھتا ہو جب کہ یہ کلام بھی خلاف واقع ہے (یہ بات بجا ہے کہ یہ تفریق واجب نہ ہو) اس لیے کہ ایسے بہت سے علماء موجود ہیں جو کہ اس تفریق کو ضروری گردانتے ہیں اور اس کے اہتمام پر زور دیتے ہیں دور حاضر کے مشہور فقیہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: "مرزائیوں کو شعار اسلام و مسلمین کے اختیار کرنے سے روکا جائے۔"[21]

یہ بات تو لباس میں امتیاز قائم کرنے کی تھی جبکہ لباس کے علاوہ بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ جن میں تو یہ اہتمام زیادہ ضروری ہے چنانچہ اسی فتوی میں آپ قادیانیوں کی عبادت گاہ کو مسجد کہنے یا اس کی تعمیر مسجد جیسی بنانے کے مسئلے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"خاص طور سے کسی بھی مذہب کی عبادت گاہ اس مذہب کا امتیازی نشان ہوتی ہے جس سے اس مذہب اور اہل مذہب کی شناخت میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ مسجد مسلمانوں کی اس عبادت گاہ کا نام ہے جو صرف اور صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو، کسی دوسرے مذہب کے پیروؤں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد کا نام دے کر لوگوں کو مغالطہ دیں اور ان کی گمراہی کا باعث ہوں۔ بالخصوص مرزائیوں کا معاملہ یہ ہے کہ مدت دراز تک اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ناواقف لوگوں کو فریب دیتے رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اگر انہیں مسجد کے نام سے اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنے یا اسے اس نام پر برقرار رکھنے کی اجازت دے دی جائے، تو اس کا صریح نتیجہ عام مسلمانوں کے لیے سخت فریب میں مبتلا ہونے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، اور پاکستان جیسی اسلامی مملکت میں ایسے فریب کو گوارا نہیں کیا جا سکتا، لہذا احقر کی رائے میں وہ تمام فیصلے جن میں قادیانیوں یا لاہوریوں کو مسجد کے نام سے عبادت گاہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ قران وسنت، شریعت اسلامی اور مصالح مسلمین کے خلاف ہیں۔"[22] مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے بھی اس فتوی کی تائید و توثیق فرمائی ہے۔

مفتی وقار الدین اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ قادیانیوں کی تعمیر کردہ عبادت گاہ مسجد نہیں ہے بلکہ عبادت گاہ بھی نہیں ہے۔[23]

ان جدید خیالات کے پروردہ حضرات سے گذارش یہ ہے کہ اگر آپ اسے واجب وضروری تسلیم نہیں کرتے تو کم از کم مستحب و مستحسن یا بہتر ہی قرار دے دیں جب کہ اسلاف کی اتنی واضح تصریحات اس مسئلے سے متعلق موجود ہیں چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے کہ شیخ ابو بکر رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ ذمیوں سے یہ عہد لیا جاوے کہ وہ لوگ کستیجہ (زنار) باندھا کریں۔ تو ایک دفعہ شیخ نے جواب دیا کہ یہ عہد نہ لیا جائے اور ایک دفعہ یوں جواب دیا کہ اگر وہ لوگ بہت ہوں تو ان سے یہ عہد لیا جائے گا تا کہ پہچان پڑیں۔[24]

ہدایہ شریف میں یہ احکامات بڑی تفصیل کے ساتھ ہیں ایک اقتباس درج ذیل ہے: "ذمیوں سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنے لباس، اپنی سواریوں، اپنی زین اور اپنی ٹوپیوں میں مسلمانوں سے علیحدگی اور امتیاز پیدا کریں چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں اور ہتھیار نہ لٹکائیں جامع صغیر میں ہے

کہ ذمیوں پر یہ دباؤ ڈالا جائے کہ وہ دھاگہ باندھیں اور ان زینوں پر سوار ہوں، جو خچروں اور گدھوں کے پالان کی طرح ہوں اور ایسا اس لیے کیا جائے تاکہ ان کی ذلت ہو اور کم زور مسلمان ان سے محفوظ رہ سکیں۔اور اس لیے کہ مسلمان کا اکرام کیا جاتا ہے اور ذمی کی توہین کی جاتی ہے۔"[25]

ان صراحتوں کے مقابل ان لوگوں کو اگر دلیل ملی بھی تو وہ کہ جو خود ان کے نزدیک بھی بڑی کمزور ہے چنانچہ علامہ بلاذری نقل کرتے ہیں کہ 89ھ میں ولید بن عبد الملک نے ایک لشکر جرار مسلمہ بن عبد الملک کی سرکردگی میں جراجمہ کے عیسائیوں کی طرف روانہ کیا تھا ان لوگوں سے جن شرائط پر صلح ہوئی ان میں یہ دفعات بھی شامل تھیں کہ "وہ (کسی بات پر) مجبور نہیں کیے جائیں گے اور نہ ان کی اولاد اور ان کی عورتوں میں سے کسی کو ترک نصرانیت پر (مجبور کیا جائے گا) اور نہ اس پر کہ وہ مسلمانوں کا سا لباس پہنیں۔[26]

اگر اس کو حجت تسلیم کیا جاتا ہے تو اوپر دیگر بادشاہوں کے حالات بھی بیان ہوئے ہیں کہ انہوں نے تشبہ الکفار بالمسلمین کا بھی اہتمام کیا تھا بلکہ فتاوی عالمگیری سے اشارۃ یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے نیک بادشاہ نے بھی اس کو نافذ کر رکھا تھا کیونکہ فتاوی عالمگیری ہی اس وقت تمام ملک کے لیے آئین مملکت کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ بلکہ حضرت عمر فاروق اعظم اور عمر بن عبد العزیز نے بھی اس کا نفاذ کیا تھا اور ہمارے لئے ان کا عمل اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے احتجاج کیا جائے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل غور ہے کہ چونکہ یہ ایک انتظامی مسئلہ ہے جس کو اسلامی حکومت نے نافذ کیا تھا اور ایسے تمام احکامات کے درپردہ صرف اور صرف اشاعت اسلام کا اور ترقی اسلام کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے چنانچہ یہ قیاس کرنا زیادہ بہتر ہے کہ جب ولید نے دیکھا کہ دیگر نصاری کی نسبت یہ اسلام کی طرف زیادہ مائل ہیں اور اگر انہیں اسلامی لباس وغیرہ پہننے کی اجازت دے دی جائے تو یہ اسلام کے مزید قریب آجائیں گے اور شاید کہ ان میں سے کچھ لوگ اسلام کو قبول کر لیں تو اس نے انہیں مسلمانوں جیسا لباس پہننے کی اجازت دے دی۔

بہر حال یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس کے کئی پہلو ہیں چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام علماء مل کر اس مسئلے کے جزئیات کو واضح کریں اور اس کا کوئی حتمی نقطہ نظر سامنے لائیں اس لیے کہ آج جدید دور میں جب کہ دنیا سکڑ چکی ہے اور ایک گاؤں کی صورت اختیار کر چکی ہے یہ مسئلہ بڑی پیچیدہ صورت اختیار کر چکا ہے اس لیے کہ اب مختلف کلچر خلط ملط ہو چکے ہیں ایسے میں کسی کی شناخت لباس وغیرہ کے ذریعے کرنا بڑا مشکل امر ہے پہلے ختنہ مسلمانوں کی شناخت کا ایک ذریعہ تھا لیکن اس جدید دور میں اس کے فوائد کے پیش نظر اب اسے غیر مسلم بھی اختیار کر رہے ہیں اور شناخت کا یہ طریقہ بھی اب اپنی قدر کھو چکا ہے۔ ویسے بھی تشبہ کی بہت سے شکلیں اور صورتیں ہیں اور ہر صورت کے لحاظ سے اس کے احکام جدا ہیں۔ اوپر تشبہ کے احکام کے ضمن میں اس کی کچھ وضاحت کر دی گئی ہے لیکن تشبہ نہ تو ہر صورت میں ناجائز ہے اور نہ ہر صورت جائز ہے بلکہ اس میں پائی جانے والی علت کے لحاظ سے اس کا حکم ہے۔ مزید یہ کہ احکامات کا مدار سبب و علت پر ہوتا ہے اور جب سبب یا علت بدل جائے تو حکم بھی بدل جایا کرتا ہے۔ اسی بابت مولانا نور اللہ نعیمی کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں کونسی باتیں تشبہ کے دائرہ کار میں آتی ہیں اور کون سی اس بحث سے خارج ہیں اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں: "کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لیے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں مثلاً یہ کہ وہ لباس جو کفار یا فجار کا شعار ہونے کے باعث ناجائز تھا کیا اب بھی شعار ہے تو ناجائز ہے یا اب شعار نہیں رہا تو جائز ہے مگر بظاہر یہ توقع تمنا کے حدود طے نہیں کر سکتی اور یہی انتشار آزاد خیالی کا باعث بن رہا ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون"[27] نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ بہت سی چیزیں زمان و مکان کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔[28] مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں کہ کسی طائفہ باطلہ کی سنّت (عادت) جبھی تک لائقِ اِحتراز رہتی ہے کہ وہ ان کی سنّت (عادت) رہے اور جب ان میں سے رواج اُٹھ گیا تو ان کی سنّت (عادت) ہونا ہی جاتا رہا، اِحتراز کیوں مطلوب ہو گا۔[29]

اس لیے حالات وواقعات کے بدلنے کی وجہ سے شرعی احکامات اور ان کی صورتیں بدل چکی ہیں۔ تو ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ یہ

اس وقت کی بات ہے کہ جب اسلام غالب تھا اور دیگر تہذیبیں مغلوب تھیں۔ اس لیے کفار مسلمانوں جیسا بننا پسند کرتے تھے۔ لیکن آج کفار کی تہذیب غالب ہے اور مسلمان مغلوب ہو چکے ہیں ۔ تو اس لیے شاید اب اس کی ضرورت نہیں رہی یا اس کے احکامات بدل چکے ہیں۔ اس اعتراض کے جواب ہے کہ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی ایک غالب اکثریت کفار کی اور ان کی تہذیب کی پیروی کرتی نظر آتی ہے لیکن بہر حال پھر بھی اس مسئلے کی ضرورت اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اوپر بہت سے علماء کی تصریحات گزر چکی ہیں جیسے کہ قادیانیوں کا مسلمانوں کی مشابہت کا اختیار کرنا ہے یا پاکستان اور دیگر بہت سے مسلم ممالک ہیں کہ جہاں پر کفار مسلمانوں کی مشابہت کو اختیار کرتے نظر آتے ہیں تا کہ وہ مسلمانوں کی مشابہت اختیار کر کے مختلف معاشی ، سماجی اور معاشرتی فوائد حاصل کر سکیں اس لیے جہاں مسلمان کثیر تعداد میں ہوں اور غالب ہوں تو وہاں پر اسلامی حکومت کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ کفار کو مسلمانوں کی مشابہت کے اختیار کرنے سے روکا جائے تا کہ اس سے پیدا ہونے والے مفاسد و نقصانات کا تدارک کیا جاسکے۔ پاکستان میں میں بہت سے ایسے کفار پکڑے گئے ہیں جو کہ مسلمانوں جیسی شکل وصورت بنا کر رہتے رہے نمازیں پڑھتے رہے حتی کہ امام مسجد بھی رہے اس لیے ایسی کوئی صورت جائز نہیں ہے۔ اور نہ ہی ایسی کسی صورت کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

خلاصہ بحث

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ جس طرح مسلمانوں کا کفار سے مشابہت اختیار کرنا ناجائز ہے ویسے ہی کفار کا مسلمانوں سے مشابہت اختیار کرنا بھی درست نہیں ہے اور اس کے بہت سے نقصانات ہیں کیونکہ اگر کفار مسلمانوں کی مشابہت اختیار کریں گے تو مسلمان ان سے مسلمانوں جیسے معاملات کا برتاؤ کریں گے جو مختلف سماجی اور شرعی مسائل کو جنم دے گا۔ اس لیے کفار کا مسلمانوں سے مشابہت اختیار کرنا بھی درست عمل نہیں ہے ہاں اگر یہ کہا جاسکے کہ کچھ لوگ اسلام کے قریب آرہے ہوں اور شاید کہ وہ مسلمانوں کی مشابہت کو اختیار کریں اور اسلام قبول کرلیں تو پھر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر کفار کو مسلمانوں کی مشابہت کے اختیار کرنے سے روکا جائے گا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 international license.

حواشی و حوالہ جات

[1] ۔مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللہ دتہ و ڈاکٹر عصمت اللہ، "تشبہ کی حقیقت: اقسام اور احکام کا فقہاء کی آراء کی روشنی میں تحلیلی مطالعہ، "مجلہ علوم اسلامیہ و دینیہ، 3:1 (2018ء)۔

[2] ۔ محمد بن إسماعيل بخاري، م:256ھ، الجامع الصحیح، (بیروت: دار طوق النجاۃ، 1422ھ) کتاب أصحاب النبي، باب فضائل أصحاب النبي، رقم الحدیث: 3651۔

[3] ۔ أبوالفضل أحمد بن علي ابن حجر العسقلاني، م852ھ، فتح الباري شرح صحيح البخاري، (بيروت: دار المعرفة، 1379ھ) ج 7 ص 6۔

[4] ۔ أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم، م182ھ، الخراج، (بيروت: دار المعرفة للطباعة والنشر، 1399ھ / 1979ء) ص 140۔

[5] ۔ نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لأبي یوسف، (کراچی مکتبہ چراغ راہ آرام باغ روڈ،، 1966ء) ص 392 – 391۔

[6] ۔ أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد، م 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، (الرياض: مكتبة الرشد، 1409ھ) باب مَا قَالُوا فِي الصَّدَقَةِ يُعْطَى مِنْهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ، ج 2 ص 402، رقم الحدیث 10410۔

---

[7] ۔ بہت سے دیگر علماء کا بھی یہی قول ہے۔ ابن أبي شيبة، مصنف ابن ابی شیبہ، باب مَاقَالُوا فِي الصَّدَقَةِ يُعْطَى مِنْهَا أَهْلُ الذِّمَّةِ، ج2 ص402، رقم الحدیث 10411-10414۔ تاہم اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور کچھ علماء انہیں زکوۃ دینے کی اجازت بھی دیتے ہیں۔ أبو عبد الله محمد بن عمر فخر الدين الرازي، م606ھ، مفاتیح الغيب، (بيروت: دار إحياء التراث العربي، 1420ھ)، ج16 ص86۔

[8] ۔ أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم، الخراج لأبي يوسف، (القاهرة: المطبعة السلفية ومكتبه، 1382ھ) ص127۔

[9] ۔ شبلی نعمانی، م1914ء، الفاروق (لاہور: مکتبہ رحمانیہ اردو بازار) ص288۔

[10] ۔ أبو يوسف يعقوب بن إبراهيم، م182ھ، الخراج، (بيروت: دار المعرفة للطباعة والنشر، 1399ھ / 1979ء) ص 127۔

[11] ۔ نجات اللہ صدیقی، اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج لأبي يوسف، ص392۔

[12] ۔ محمد طیب، التشبہ فی الاسلام، (انڈیا: مطبع قاسمی دیوبند، طبع: 1348ھ / 1929ء) ص71۔

[13] ۔ أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي، م458ھ، السنن الكبرى (بيروت: دار الكتب العلمية، 1424ھ / 2003ء) ج9 ص339، بَابُ الْإِمَامِ يَكْتُبُ كِتَابَ الصُّلْحِ عَلَى الْجِزْيَةِ، حدیث 18717۔ أبو سعيد بن الأعرابي أحمد بن محمد، م340ھ، معجم ابن الأعرابي (المملكة العربية السعودية: دار ابن الجوزي، 1418ھ / 1997ء) ج1 ص207، حدیث 365۔ علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي، م975ھ، كنز العمال، (بيروت: مؤسسة الرسالة، 1401ھ / 1981ء) باب شروط النصارى، حدیث 11493، ج4 ص504؛ أبو الفداء إسماعيل بن عمر ابن كثير، م774ھ، مسند الفاروق أمير المؤمنين أبي حفص عمر بن الخطاب رضي الله عنه وأقواله على أبواب العلم (مصر: دار الفلاح، الفيوم، 1430ھ / 2009ء) ج2 ص335، باب ذِكر الشروط العُمرية في أهل الذمة، حدیث 663؛ أبو الفداء إسماعيل بن عمر ابن كثير، م774ھ، تفسير القرآن العظيم (ابن كثير) (بيروت: دار الكتب العلمية، 1419ھ) ج4 ص117۔

[14] ۔ علي بن حسام الدين المتقي الهندي، كنز العمال، ج4 ص505، باب شروط النصارى، حدیث 11495۔

[15] محمد بن جرير الطبري، م310ھ، تاريخ الرسل والملوك وصلة تاريخ الطبري، (بيروت: دار التراث، 1387ھ) ج9 ص172۔

[16] ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: محمد بن جرير الطبري، تاريخ الرسل والملوك وصلة تاريخ الطبري، ج9 ص174۔

[17] ۔ طبری، تاريخ الرسل والملوك وصلة تاريخ الطبري، ج 9 ص175۔

[18] ۔ شبلی نعمانی، الفاروق، ص 288۔

[19] ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: مولانا یحیی نعمانی، تحقیقات اسلامی، اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری۔ ذمی، علی گڑھ انڈیا، جلد 30 شمارہ 1، محرم ربیع الاول 1432ھ بمطابق جنوری مارچ 2011ء، ص 72-73۔

[20] ۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی، غیر المسلمین فی المجتمع الاسلامی، اردو ترجمہ بنام اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق و فرائض، مترجم قیصر شہزاد، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، 2011ء) ص91۔

[21] ۔ مفتی محمد تقی عثمانی، فتاوی عثمانی (کراچی: مکتبہ معارف القران، 2012ء) ج1 ص59۔

[22] ۔ ایضاً، ج1 ص60۔

[23] ۔ وقار الدین، مفتی، وقار الفتاوی، م1993ء، ج2 ص295۔

[24] ۔ ملا نظام الدین، فتاوی ہندیہ، کتاب الکراھیتہ، ج9 ص56۔

[25] ۔ أبو الحسن برهان الدين علي بن أبي بكر المرغيناني، م593ھ، الهداية في شرح بداية المبتدي، ج2 ص404۔

[26] ۔ احمد بن يحيى البلاذري، م279ھ، فتوح البلدان (بيروت: دار ومكتبة الهلال، 1988ء) ج1 ص161۔

[27] ۔ مولانا نور اللہ نعیمی، فتاوی نوریہ، (بصیر پور اوکاڑہ: دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اشاعت چہارم 2005ء) ج4 ص533۔

[28] ۔ ملا نظام الدین، فتاوی ہندیہ، کتاب الکراھیتہ الباب الخامس فی آداب المسجد، ج9 ص56۔

[29]۔ بریلوی، احمد رضا خان، م 1921ء، فتاوی رضویہ ج 8 ص 634، بتصرف